تدبراتِ قرآن

طاہرہ فاطمہ

انتساب

میرے پیارے امی ابو کے نام!

اور

میری پیاری چھوٹی سی سٹوڈنٹ ایرج فاطمہ کے نام!

جسے قرآن سیکھانے کے دوران میں بہت کچھ سیکھ رہی

ہوں۔

یہ دعا حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہونے پر پڑھی۔

اس دعا میں سبق ہے کہ انسان کو اپنے اعمال سے مطمئن نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر عمل کے بعد عاجزی اختیار کرنی چاہیے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرنی چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ جیسے عظیم الشان عمل کو مکمل کرنے کے باوجود فخر کا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس عمل کی قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے چند اسباق!

1) اللہ تعالی کی پناہ طلب کرنا۔ شیطان مردود سے حفاظت بہت ضروری ہے!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

2) ہر کام شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لینا

بِسْمِ اللَّهِ

3) اللہ کی طرف ہمیشہ مثبت سوچ رکھنا

الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

4) ہر حال میں اللہ تعالی کا شکر گزار ہونا

الْحَمْدُ لِلَّهِ

5) حصول علم کی طلب اور کائنات پر غور و فکر کرنا

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

6) دوسروں کے لیے رحمدل اور مہربان ہونا۔

الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

7) ہر دن اپنے معمولات آخرت کو مد نظر رکھتے ہوئے سرانجام دینا۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ

8) ہر اچھے کام کو عبادت کی نیت سے کرنا

إِيَّاكَ نَعْبُدُ

9) ہر کام میں اللہ کی مدد طلب کرنا

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

10) اللہ سے سیدھے راستے پر چلنے اور ہدایت کی دعا کرنا

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

11) ہدایت یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر چلنا

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

12) برے لوگوں سے پناہ کی دعا کرنا

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

وَاِنَّ لکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ○

اور یقیناآپ کے لیے تو وہ اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو گا۔(سورۃ القلم آیت 3)

جس پر اللہ سبحانہ و تعالی دورد بھیجے، فرشتے درود بھیجیں اور بھیجتے ہی رہیں تو وہ اجر کہاں ختم ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کا اجر ختم نہیں۔ آپ ﷺ کا اجر، آپ ﷺ کی تعریف، آپ ﷺ کا مرتبہ اور رتبہ دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔قرآن مجید کا ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو یہ نیکیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ملتی ہیں۔امت کا ہر فرد جب قرآن پڑھتا ہے، دن ہو یارات، دیکھ کر یازبانی، اس سارے پڑھنے کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاتا ہے۔اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے احکامات پر عمل کرتے ہیں تو اس کا اجر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے ذریعے یہ ہمیں ملا ہے۔

اور جو شخص آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلے گا اس کے لیے بھی یہ بشارت ہے۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن (پڑھنا اور اس کے رموز و اسرار اور مسائل) سیکھے اور سکھائے۔"

ایک روایت میں ان ہی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"(رواہ البخاری)

اگر ہم کسی شخص کو قرآن پڑھنا سکھاتے ہیں تو اس کے ہر حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملیں گی وہ ہمیں بھی ملیں گی۔اگر ہم صرف سورۃ فاتحہ ہی سکھادیں تو اس مختصر اور سات آیتوں پر مشتمل چھوٹی سی صورت کو ہر مسلمان رات دن میں کم از کم سترہ مرتبہ دہراتا ہے اور جب وہ سنتیں پڑھتا ہے تو یہ تعداد اس سے بھی دوچند ہو جاتی ہے اور اگر کوئی فرائض و سنن کے علاوہ نوافل بھی پڑھتا ہے تو وہ اسے بے شمار مرتبہ دہراتا ہے۔اور اس طرح قرآن کا سکھانا ہمارے لیے اجر غیر ممنون کا باعث بن سکتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی ہر چیز کا مالک ہے، ہر ایک سے مستغنی اور بے نیاز ہے، کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ایسا غنی ہے جسے ہر تعریف اور شکر کا استحقاق پہنچتا ہے کیونہ وہ تمام موجودات عالم کی حاجتیں پوری کر رہا ہے۔ وہ ہم میں سے کسی کے شکر کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی خدائی میں ہماری شکر گزاری سے نہ تو ذرّہ بھر کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ناشکری واحسان فراموشی سے یک سر مو کوئی کمی آتی ہے۔ نہ ہمارے کفر سے اللہ کی خدائی میں ذرہ بھر بھی کمی آسکتی ہے۔ ہم مانیں گے تب بھی وہ خدا ہے اور نہیں مانیں گے وہ خدا ہے اور رہے گا۔ اس کی فرمانروائی اپنے زور پر چل رہی ہے۔ یہی مضمون اس حدیث قدسی کا ہے جو صحیح مسلم میں وارد ہوتی ہے کہ :

يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا

میرے بندو! اگر تمہارے پہلے والے اور تمہارے بعد والے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے ایک انتہائی متقی انسان کے دل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ میرے بندو! اگر تمہارے پہلے والے اور تمہارے بعد والے اور تمہارے انسان اور تمہارے جن سب مل کر تم میں سے سب سے فاجر آدمی کے دل کے مطابق ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔" (صحیح مسلم حدیث 2577)

اصل حقیقت یہ کہ ہے ہم اس کے محتاج ہیں۔ ہماری زندگی ایک لمحے کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتی اگر وہ ہمیں زندہ نہ رکھے اور وہ اسباب ہمارے لیے فراہم نہ کرے جن کی بدولت ہم دنیا میں زندہ رہتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔ لہذا ہمیں اس کی اطاعت وعبادت اختیار کرنے کی جو تاکید کی جاتی ہے اس لیے نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالی کو اس کی احتیاج ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اسی پر ہماری اپنی دنیا اور آخرت کی فلاح کا انحصار ہے۔ اللہ کی کوئی غرض، کوئی مفاد ہم سے وابستہ نہیں ہے کہ ہماری نافرمانی سے اس کا کچھ بگڑ جائے گا وہ ہماری سلامیوں کا محتاج نہیں ہے اور نہ ہماری نذر و نیاز کا۔ وہ اپنے بے شمار خزانے ہم پر لٹا رہا ہے بغیر اس کے کہ ان کے بدلے میں اپنے لیے ہم سے کچھ چاہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○

اور جب تم نے موسیٰ سے کہا کہ موسیٰ جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔(سورۃ بقرۃ آیت 55)

ان دونوں آیات میں اللہ تعالی کے دیدار کا مطالبہ ہے۔۔۔ لیکن اس کے اثرات اور نتائج میں بہت بڑا فرق ہے۔ بنی اسرائیل گستاخانہ اور بے باکانہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَۃً ہم موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق تب کریں گے جب اللہ کو علانیہ اور ظاہر طور پر دیکھ لیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہہ کر دیدار الٰہی کا سوال کرنا عاجزانہ اور مودبانہ انداز، ایک استدعا اور درخواست ہے۔ مطالبہ نہیں ہے بلکہ ایک والہانی اور عاشقانہ استدعاء جو سراسر محبت اور اشتیاق پر مبنی ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام کو بلاواسطہ اللہ کی بات سننے سے عجیب جو محبت، انس اور شوق حاصل ہوا اسی کے اثر سے دل میں اللہ تعالی کے دیدار کا آرزو پیدا ہوئی تو بے ساختہ دیدار کے لیے درخواست کر دی تاکہ ایک نظر دیکھ سکیں۔ لیکن اللہ تعالی کو یہ بات خوب معلوم تھی کہ تجلیات کا پرتو ڈالوں گا تو نہ پہاڑ برداشت کر سکے گا نہ ہی موسی علیہ السلام۔ جیسا کہ پہلے ہی کہہ دیا قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ لیکن صرف اس لیے مزید کہہ دیا کہ حضرت موسی علیہ السلام کی دل شکنی نہ ہو۔ چنانچہ تجلی سے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین بوس ہو گیا اور موسی علیہ السلام جو پاس کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے اس دہشت سے بے ہوش کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو پہلی بات یہ کی کہ میں نے ناجائز قسم کا مطالبہ کر دیا تھا اس سے توبہ کرتا ہوں، تیری عظمت و جلال کا اقرار کرتا ہوں اور اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ اس فانی دنیا میں اور ان فانی آنکھوں سے تیرا دیدار ناممکن ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام کی یہ خواہش شرح صدر اور اطمینان قلب حاصل کرنے کے لیے تھی اور بنی اسرائیل اس کو انکار اور تکذیب کا بہانہ بنانا چاہتے تھے۔ یہ خواہش حضرت موسی علیہ السلام کا اشتیاق اور محبت تھی جبکہ بنی اسرائیل اس جذبہ سے عاری تھے۔ حضرت موسی علیہ السلام کو مشاہدہ کرانے کے لیے اللہ تعالی نے اپنی تجلی جب پہاڑ پر ڈالی تو جس طرح پہاڑ پاش پاش ہو گیا اسی طرح بنی اسرائیل کے مطالبہ پر جب اس کی تجلی ظاہر ہوئی تو وہ صاعقہ کی شکل میں نمودار ہوئی۔ حضرت موسی علیہ السلام کے شوق، محبت اور ادب کی بنا اللہ تعالی نے ان کو ملامت نہ تو فرمائی اور نہ ان کی دل شکنی کی۔ جبکہ بنی اسرائیل کے لوگوں کا مطالبہ محض ان کی بے یقینی اور شک پرستانہ ذہنیت کا ایک مظاہرہ تھا اسی وجہ سے عذاب نے آپکڑا۔

ایک ہی مطالبہ ہے لیکن فرق ہے اثرات میں۔۔۔ باادب بانصیب۔۔۔ بے ادب بے نصیب۔۔۔

وَمَنْ اَعْرَضَ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر کوہ طور پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔ تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے اپنا جلوہ دکھا کہ میں تیرا دیدار کروں فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔ پھر جب انکے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی تو اسکو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بےہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں۔(سورۃ اعراف آیت 143)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا۝

اَسَف یعنی انتہائی غم و غصہ جیسے کسی کے دوست اس کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں اور اس جدائی پر وہ صبر نہ کر سکے اور غم سے گھل گھل کر مر جائے۔ یہی حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ کیوں؟ کیونکہ لوگ اللہ تعالی کی طرف سے دی گئی کتاب ہدایت قرآن کریم پر ایمان نہیں لا رہے تھے۔

حرص کہتے ہیں کسی چیز سے شدید لگاؤ رکھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس بات پر حریص تھے؟ ہم سب کی ہدایت کے لیے، ہم سب کے ایمان کے لیے۔ کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کاہن، ساحر، شاعر، مجنون کہتے، گالیاں دیتے، دیوانہ کہتے، پتھر مارتے، راستوں میں کانٹے بچھاتے، جسم مبارک پر نجاست ڈالتے، دھکے دیتے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرز عمل کے باوجود ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس قدر غمزدہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان چلی جانے کا خطرہ تھا۔

آج کیا ہم لوگوں تک اسی جذبے کے ساتھ اللہ تعالی کا پیغام پہنچاتے ہیں؟ آج اگر ہم کسی کو گمراہ دیکھیں تو ایسے غمزدہ ہوتے کہ جان جانے کا خطرہ ہو؟ کیا ہم کاہن، ساحر، شاعر، مجنون اور بہت ساری غلط باتیں کہے جانے پر صبر سے کام لیتے ہیں؟ یقینا یہ بہت مشکل کام ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو اسلام کا پیغام دنیا میں عام کرنے کے لیے صبر اور توفیق عطا فرمائے۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝

بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔ ((سورہ توبہ آیت 128)

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ○

اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی مقام عبرت و غور ہے کہ انکے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس کے درمیان سے نکال کر ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔(سورۃ النحل آیت 66)

سائغا کا مادہ س ا غ سے ہے۔ساغ بمعنی کسی مشروب کا آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے اتر جانا، غٹ غٹ کر کے پی جانا اور سائغیۃ خوش مزہ شربت یا مشروب کو کہتے ہیں۔اور اس کی ضد غصّ ہے یعنی ایسی چیز جو گلے سے آسانی سے نیچے نہ اترے اور پھنس جائے۔اللہ تعالی کی عظمت و قدرت کی نشانیاں ہر چیز میں موجود ہیں یہاں تک کہ مویشیوں میں بھی غور و فکر کرنے کی بہت سی باتیں ملتی ہیں۔اللہ تعالی ان جانوروں کے پیٹوں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر پلاتے ہیں۔اس دودھ میں کسی چیز کی آمیزش کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔نہ گھاس کا، نہ بھوسے کا جبکہ اللہ تعالی نے دودھ کو خون اور گوبر کے درمیان سے بنایا ہے۔اور صاف، شفاف سفید رنگ۔۔۔۔

لیکن ایک گائے کو دودھ پیدا کرنے کے لیے وہ روزانہ تقریباً 50 کلو کھانا اور 150 لیٹر یا اس سے زائد پانی پینا پڑتا ہے۔گائے کے پیٹ میں چار حصے ہوتے ہیں۔Reticulum گائے کے پیٹ کا پہلا حصہ ہوتا ہے۔اگر گائے دھات یا دیگر بڑی اشیاء کھا جائے تو شہد کے چھتے جیسی ساخت والا یہ حصہ چھلنی کا کام کرتا ہے اور کسی بھی غیر ضروری چیز کو مزید آگے جانے سے روکتا ہے۔جو خوراک Reticulum میں داخل ہوتا ہے بعد میں اسے مزید باریک کیا جاتا ہے۔گائے اس خوراک کو پھر سے منہ میں لاتی اور تقریباً ایک منٹ تک 40 سے 60 بار چباتی ہے۔rumen میں خوارک مزید پراسس ہوتی ہے اور مائع دودھ میں تبدیل ہوتی ہے۔omasum میں دودھ میں پانی کی مقدار کو متوازن کیا جاتا ہے۔abomasum میں مزید کیمیائی عمل وقوع پذیر ہوتے ہیں۔گھاس کے غذائی اجزاء تھنوں میں موجود چار میمری غدود کے ذریعے دودھ میں بدل جاتے 1 لیٹر دودھ کے اجزاء فراہم کرنے میں 400 سے 800 لیٹر خون اس مشین سے گزرتا ہے۔ایک گائے دن میں 6 گیلن دودھ پیدا کرتی ہے۔ایک سال میں 1,500 گیلن اور زندگی بھر میں 18,750 گیلن دودھ پیدا کرتی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالی نے نہ صرف اس گائے کو بلکہ اور بھی بہت سارے مویشی جانوروں کو انسان کی خدمت میں لگایا ہوا ہے۔اور یہ سب اللہ تعالی کی حکمت کی عجیب کاریگری کا اظہار ہے۔

جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو کر محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو قبلہ مقصود سمجھ بیٹھے تو پھر زندگی مکدر اور تنگ کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں مال و دولت اور سامان عیش و عشرت نظر آئیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کی فراخی ہو سکتی ہے لیکن دل یقین اور ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ شک و شبے اور تنگی و قلت میں ہی مبتلا رہتے ہیں۔ ابن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے:

مَعِيشَةً ضَنكًا(معیشت میں تنگی) سے مراد قناعت کا چھین لینا ہے یہاں تک کہ وہ سیر ہی نہیں ہوتا۔

مَعِيشَةً ضَنكًا کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ تنگ دستی غالب رہے گی بلکہ قناعت اور قلبی سکون کبھی میسر نہ آئے گا۔ جبکہ دین میں تو تسلیم قناعت اور توکل ہوتا ہے۔ پس دین والے کی زندگی میں پاکیزگی ہوتی اور دین سے اعراض کی صورت میں حرص، بخل کی وجہ سے زندگی تنگ ہو جاتی ہے۔ دل اللہ کی رحمت سے محروم، خیر و برکت سے محروم اور قناعت و توکل سے خالی ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسی بناء پر ہر وقت دنیا کی مزید حرص، ترقی کی فکر اور کمی کے اندیشے چین نہیں لینے دیتے۔

اور نصوص اور تجربات اس پر شاہد ہیں کہ اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو یادِ الٰہی کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:28)

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا، اور وہ آسمان کی نشانیوں سے منہ موڑنے والے ہیں۔ (سورۃ الانبیاء آیت 32)

آسمان ایک محفوظ چھت کی طرح بھی کام کر رہا ہے۔ بیسویں صدی میں کی گئی سائنسی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ زمین کے گرد ایٹماسفیئر زندگی کے تسلسل کے لیے اہم کام کرتا ہے۔ بہت سے بڑے اور چھوٹے شہاب ثاقبوں کو زمین کے قریب آتے ہی تباہ کر دیتا ہے تاکہ زمین پر بسنے والے جاندار نقصان پہنچنے سے محفوظ رہیں۔ مزید یہ کہ atmosphere خلا سے آنے والی روشنی کی ان شعاعوں کو فلٹر کرتا ہے جو جانداروں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ Atmosphere کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف بے ضرر اور مفید شعاعوں (نظر آنے والی روشنی، الٹرا وائلٹ روشنی) اور ریڈیو ویوز کو ہی گزرنے دیتا ہے۔ الٹرا وائلٹ شعاعیں، جو صرف جزوی طور پر atmosphere میں داخل ہوتی ہیں، پودوں کے فوٹو سنتھیسز اور تمام جانداروں کی بقا کے لیے بہت اہم ہیں۔ سورج سے خارج ہونے والی شدید الٹرا وائلٹ شعاعوں کی اکثریت atmosphere اوزون تہہ سے فلٹر ہو جاتی ہے۔ الٹرا وائلٹ سپیکٹرم کا صرف ایک محدود اور ضروری حصہ ہی زمین تک پہنچ سکتا ہے۔ آسمان کا حفاظتی کام یہیں ختم نہیں ہوتا۔ atmosphere زمین کو خلاء کی منجمد سردی سے بھی بچاتا ہے، جو کہ تقریباً منفی 270 ڈگری ہے۔ اس کے علاوہ زمین کے میگنیٹک فیلڈ کی وجہ سے پیدا ہونے والی ایک تہہ جسے Van Allen Belt کہتے ہیں ایک ڈھال کا کام کر رہی ہے۔ اگر Van Allen Belt موجود نہ ہوتی، تو سورج میں لگاتار ہونے والے توانائی کے دھماکے جنہیں solar flares کہتے ہیں زمین کی تمام زندگی کو تباہ کر دیں۔ ایک solar flares سے تقریباً 10 ملین آتش فشاں پھٹنے جیسے انرجی نکلتی ہے۔ ہم ہر روز آسمان کی طرف دیکھتے ہیں لیکن آسمان کے اس حفاظتی پہلو کے بارے میں کم و بیش ہی سوچتے ہیں۔ کبھی یہ سوال ذہن میں آیا کہ اگر یہ سقفا محفوظا موجود نہ ہوتا تو دنیا کیسی جگہ ہوتی؟ ہم پر روزانہ نہ جانے کتنے پتھر آ گرتے۔ شاید ہزاروں یا لاکھوں۔۔۔ اور زمین ایک ناقابل رہائش جگہ بن جاتی۔ اگر ایک solar flare بھی زمین پر پہنچ جائے تو ہمارا کیا حال ہو؟ بے شک یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہماری حفاظت ہے اور قرآن میں بیان کردہ ایک معجزہ ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ یَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ○

اور جن رشتوں کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا انکو جوڑے رکھتے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔(سورۃ الرعد آیت 21)

ہم میں سے بہت سے لوگوں کو زندگی میں کئی بار اسی طرح کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔۔۔ ہمارے خاندان کے لوگ، عزیز دوست ایک چھوٹی سی بات پر بحث کر بیٹھتے ہیں اور سالوں بات نہیں کرتے ہیں، سالوں ناراض رہتے ہیں۔ اور پھر وقت گزرنے کے بعد بعض اوقات تو یاد تک نہیں رہتا کہ کیوں لڑ رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین صفات ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں بھی ہوں اللہ تعالی اس سے آسان حساب لے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کن (صفات والوں) کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر، جو تُجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر، اور جو تجھ سے (رشتہ داری اور تعلق) توڑے تو اس سے جوڑ۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں یہ کام کر لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ سے حساب آسان لیا جائے گا اور تجھے اللہ تعالی اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادے گا۔(المستدرک علی الصحیحین للحاکم:3912)

صلہ رحمی کرنا تو اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

أَنَا اللّٰهُ، وَأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ، وَشَقَقْتُ لَهَا اسْمًا مِنِ اسْمِي، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ۔ أَوْ قَالَ: بَتَتُّهُ (الحاکم:4/174)

"میں اللہ ہوں اور میں رحمن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور میں نے اس کا نام اپنے نام سے نکالا۔ لہٰذا جو شخص اسے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا۔"

لہذا اللہ کی رضا کی خاطر، اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کی خاطر ہم جن رشتہ داروں سے، جن دوستوں سے ناراض ہیں، قطع تعلق کیے ہوئے ہیں ان سب سے صلہ رحمی کریں۔ سب کو دل سے معاف کر دیں۔ خندہ پیشانی سے ملیں۔ سلام میں پہل کر لیں۔ نرم بات کہیں۔ اگر ان کا قصور ہے تب بھی درگزر سے کام لیں۔ خاطر داری و خاکساری سے پیش آئیں۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ

کام کا پکارنا تو اسی کا ہے اور جنکو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ انکی پکار کو کسی طرح قبول نہیں کرتے۔ مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ دور ہی سے اسکے منہ تک آ پہنچے حالانکہ وہ اس تک کبھی بھی نہیں آ سکتا اور اسی طرح کافروں کی پکار بے کار ہے۔ (سورۃ طہ آیت 124)

غیر اللہ کو پکارنا، ان سے حاجات طلب کرنا، ان سے مرادیں مانگنا بے کار ہے۔ مشرکین جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں اس پکار کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص پانی دیکھ کر اپنے ہاتھ اس کی طرف پھیلائے ہوئے ہو اور اسے پکارے کہ میری طرف آ جاؤ میری پیاس بجھادو۔ ظاہر ہے کہ پانی نہ تو کسی کی پکار سن سکتا ہے اور نہ ہی پیاسے کے پاس آنے کی قدرت رکھتا ہے۔ لہذا پیاسے کی ایسی پکار ایک لغو اور بے کار فعل ہے۔ اسی طرح معبودان باطل کو ہزار بار بھی پکارا جائے تو وہ کچھ سن ہی نہیں سکتے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو بے بس اور مجبور محض ہیں کہ وہ دعا کو قبول کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے۔

وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ

قسم ہے دوڑنے والے ہانپتے ہوئے (گھوڑوں کی)۔ پھر آگ نکالنے والے سم مار کر۔ پھر حملہ کرنے والے صبح کے وقت۔ پھر اس وقت گرد اڑاتے ہیں۔ پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ بے شک انسان اپنے پروردگار کا یقینا بہت ناشکرا ہے۔

اپنی بھرپور قوت سے کام کرنے والے گھوڑوں کے ایکشن کو یہاں واضح کیا گیا ہے۔ یہاں گھوڑوں کے کارناموں پر قسم کھائی گئی ہے کہ دیکھیں گھوڑے کس قدر اپنے مالک کے وفادار ہیں۔ انسان گھوڑوں سے کیسے کیسے کام لیتا ہے۔ یہ جانور اپنے مالک کے لیے کتنی محنت کرتا ہے کہ جب وہ اس کو دوڑاتا ہے تو سرپٹ دوڑتا ہے اور اتنا دوڑتا ہے کہ ہانپنے لگتا ہے۔ اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا ہے اور سانس بھی چڑھ گیا ہے لیکن پھر بھی نہیں رکتا۔ تیز رفتاری کے باعث زمین سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ رات بھر سوئے نہیں۔ بلکہ رات بھر جاگ کر، تیاری کرکے پھر صبح سویرے اپنا کام کرتے ہیں۔ اور بھرپور دلجمعی کے ساتھ کرتے ہیں۔ دشمن کی جماعت کے اندر گھس کر غارت گری ڈال دیتے ہیں۔ اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن انسان اپنے مالک کے ساتھ کیا رویہ کرتا ہے؟ انسان اپنے مالک کا کتنا ناشکرا ہے۔ اشرف المخلوقات کیا کرتا ہے؟ اور اس کے لیے جس کو اللہ نے مسخر کیا وہ کتنا کام کرتا ہے۔

سورۃ الذاریات میں ارشاد باری ہے: **فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ** دوڑو اللہ کی طرف۔ حکم تو ہمارے لیے ہے کہ اللہ کی طرف دوڑیں۔ اور کتنا دوڑیں؟ جب تک ہانپنے لگ جائیں۔ اور ہانپ کر بھی بیٹھنا نہیں بلکہ پھر بھی دوڑتے جانا ہے۔ اور پوری قوت لگانی ہے۔ اور پھر صبح کے وقت کام شروع کرنا ہے۔ اور اس کے لیے رات جاگنا بھی پڑے تو نہیں کترانا۔ اور گرد و غبار اس سے انسان ویسے بھی بھاگتا ہے یعنی ایسے حالات جن میں انسان کو بہت کوفت ہوتی ہے انھی بھی برداشت کرنا ہے۔ ہم سب اللہ تعالی کے شکر گزار ہیں لیکن عملی کام کتنا کرتے ہیں؟ عملی شکر کتنا ادا کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی زندگی کیسے گزری تھی؟ چند سالوں میں کتنے غزوات ہوئے۔ ایک ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ غزوہ احد میں کتنے زخم لگے، کتنے شہید ہوئے لیکن اگلے دن جب معلوم ہوا کہ دشمن کی فوج لوٹ رہی ہے تو اسی حال میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن ہم لوگ کیا کرتے ہیں؟ صحت بھی تو ضروری ہے اپنا بھی تو کچھ حق ہے۔ ایک سٹوڈنٹ میرے پاس تجوید اور درس کے لیے آتی ہے۔ کمپیوٹر کے آگے بیٹھ کر ٹائپنگ کرتی رہتی ہوں۔ یہ کیا ہے؟ یہ کوئی کام ہے۔ ٹھیک ہے کام ہے، ایک محنت ہے لیکن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے کس طرح جسمانی تکلیفیں اٹھائیں، جسمانی زخم۔۔۔ انھیں پتا تھا ہم جنگ میں جائیں گے تو ہمارے ہاتھ کٹیں گے۔ ہمیں تیر لگیں گے۔ ہمارا خون نکلے گا۔ ہماری جان بھی جا سکتی ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود وہ کس طرح کے جذبے کے ساتھ جاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ زندگی کا ایک وقت ہوتا ہے جب ہم بہت کام کر سکتے ہیں۔ جسمانی و ذہنی صحت بھی ساتھ دیتی ہے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے صحت اور بہت ساری چیزیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔ بصارت، سننے کی صلاحیت، بولنے کی صلاحیت، چلنے کی صلاحیت کم ہونے لگتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے اللہ سبحانہ و تعالی جو بھی طاقت کا وقت دیا ہے اس کا خاص طور پر صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

گزشتہ ہفتہ انتہائی سرد تھا۔۔۔تصور سے بالاتر ٹھنڈ تھی۔

اتنی شدید سردی تھی کہ ایسا درجہ حرارت دہائیوں ریکارڈ نہیں کیا گیا تھا۔ نظام زندگی مفلوج ہو کر رہ گیا۔۔۔ گاڑیوں پر برف، درختوں پر برف، گھاس پر برف۔۔۔ ہر طرف برف ہی برف۔۔۔ ہڈیوں کو چٹخا دینے والی برفانی ہوائیں تھیں۔ چہرے سے چھو کر گزرتی تو بے حس کر دیتیں۔ گھر سے باہر قدم رکھنا بھی دشوار تھا۔

اتنی شدید ٹھنڈ میں پہلا خیال جہنم کا آیا۔ جی ہاں، جہنم۔۔۔اتنے شدید سرد موسم میں مجھے جہنم کیوں یاد آئے گی؟ جہنم آگ، جلن اور گرمی کا احساس۔۔۔

جہنم میں تو ناقابل تصور گرمی، جھلسا دینے والی بھڑکتی ہے۔ لیکن اس جہنم کے اندر ایک ایسی جگہ بھی ہے جو انتہائی سرد ہے۔

ابن المنذر وابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت الا حمیما وغساقا میں الحمیم سے مراد وہ گرم عذاب ہے جو جلادے گا اور الغساق سے مراد ہے زمہریر یعنی سردی کا عذاب۔ (تفسیر در منثور از امام جلال الدین سیوطی)

یعنی غساق کہتے ہیں اس ٹھنڈک کو جس کی سردی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ پس ایک طرف آگ کا گرم عذاب دوسری جانب ٹھنڈک سرد عذاب۔ یعنی جگہ اتنی سرد ہے کہ اس کی سردی انسان کو جلا دے گی، جھلسا دی گے اور اسی کی اذیت شدید ترین آگ جیسی ہو گی اس سے بھی بدتر۔۔۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا: اے میرے رب! میرے بعض حصہ نے بعض حصے کو کھا لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دو سانسیں عطا کیں: ایک سانس سردی میں، دوسری گرمی میں، تو سردی کی جو شدت تم پاتے ہو وہ اسی کی سخت سردی کی وجہ سے ہے، اور جو تم گرمی کی شدت پاتے ہو یہ اس کی گرم ہوا سے ہے“۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد باب صِفَةِ النَّارِ حدیث نمبر: 4319)

اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب جہنم سے، اس کے زمہریر سے اور حرور سے محفوظ رکھے۔ آمین!

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں۔ اور اللہ جسکے اجر کو چاہتا ہے اور زیادہ کرتا ہے اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت 261)

اس بیان کردہ مثال میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کس طرح ان صدقات کو سینکڑوں گنا بڑھا کر اجر عطا کرے گا۔ بیج کا اُگنا اور اس کا پھلنا پھولنا ایک ایسی مثال جس کو سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو سات سے زیادہ بالیاں بھی اُگ سکتی ہیں اور ایک بالی میں سو سے زیادہ دانے بھی ہو سکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے اُس کو بڑھاتا ہے وہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ ایک بہترین فصل کے حصول کے لیے درج ذیل باتیں بہت ضروری ہوتی ہیں:

1: بیج یا دانہ جس قدر تندرست اور قوی ہو گا اتنی ہی اچھی فصل ہو گی۔ انفاق فی سبیل اللہ میں بیج یا دانہ انسان کی نیت ہے وہ جس قدر خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو گی اسی قدر آپ کا صدقہ زیادہ پھل لائے گا۔ نیز یہ صدقہ حلال مال سے ہونا چاہیے۔ کیونکہ حرام مال کا صدقہ قبول ہی نہیں ہوتا۔

2: بیج کی کاشت کے بعد پیداوار حاصل کرنے کے لیے اس کی آبیاری اور کیڑوں مکوڑوں سے حفاظت بھی ضروری ہے۔ ورنہ فصل یا تو برباد ہو جائے گی یا بہت کم پیداوار دے گی۔ اسی طرح صدقہ کے بعد اس کی حفاظت بھی کی جانی چاہیے اور اسے احسان جتلا کر یا بے گار لے کر ضائع نہ کر دینا چاہیے۔

3: بعض دفعہ فصل تیار ہو جاتی ہے تو اس پر کوئی ایسی ارضی و سماوی آفت آپڑتی ہے جو فصل کو بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ انسان کے اعمال میں یہ آفات شرک کی مختلف اقسام ہیں۔ اگر آپ نے بالکل درست نیت سے صدقہ کیا پھر آبیاری اور حفاظت بھی کرتے رہے۔ لیکن کسی وقت کوئی شرک کا کام کر لیا تو اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر وہ کام سنت کے خلاف (یعنی بدعت) ہو گا تو بھی وہ اجر کے بجائے عذاب کا مستحق ہو گا۔

جو شخص ان امور کا خیال رکھے تو اسے فی الواقعہ اتنا ہی اجر ملے گا جو اس آیت میں مذکور ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک مال قبول کرتا ہے تو جس نے اپنے پاک مال میں سے ایک کھجور برابر صدقہ کیا اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کی یوں نشو و نما کرتا ہے جیسے تم اپنے بچھڑے کی نشو و نما کرتے ہو حتیٰ کہ وہ کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب حدیث 1410)

دنیامیں اندھے ہونے کا کیامطلب ہے؟

ہدایت سے اعراض کرنا۔اللہ تعالی کی آیات کو سن کر ان سنا کر دینا۔ حق کو پہچان کر بھی اس سے غافل رہنا۔

ہدایت سے اعراض کرنے والے لوگ آخرت میں اس طرح اٹھیں گے کہ وہ دونوں آنکھوں سے اندھے ہوں گے۔ اللہ تعالی نے آنکھیں اس لیے عطا کی تھیں کہ خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر اسے پہچانیں مگر حال یہ ہوا کہ اللہ تعالی کی واضح نشانیاں آئیں لیکن ان کو نہیں پہچانا۔اس طرح یہ ثابت کیا کہ وہ آنکھ رکھتے ہوئے بھی اندھے ہیں۔

قیامت کے دن اندھا ہونا بھی دنیا کے اندھے پن کی طرح ایک گمراہی ہے۔تب انسان پوچھے گا:

اے میرے رب تونے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں بینا تھا دنیامیں تو بینا تھا،ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا آج مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا جارہا ہے۔اس کو یہ جواب دیا جائے گا:

فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں پہنچی تھیں پھر تونے انھیں بھلا دیا تھا،اور اسی طرح آج تو بھی بھلایا گیا ہے

دنیامیں اللہ تعالی کی آیات دیکھنے سے اندھا بنے رہے تھے۔آنکھیں عطا کرنے کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ اپنے مطلب کی چیزیں دیکھی جائیں۔بلکہ اصل مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالی کی آیات کو دیکھتے،ان پر غور و فکر کرتے۔اس لحاظ سے دنیامیں اندھے ہی بنے رہے۔آج اس فعل کا نتیجہ ہی ممثل شکل میں ہے۔اب تعجب کیوں ہے؟آج کیوں یہ استفسار؟دنیامیں جیسے اللہ سبحانہ وتعالی کی آیات سن کر ان سنی کر دی تھیں،بھول ہی گئے تھے۔آج اللہ نے بھی بھلا دیا۔رحمت سے دور کر دیا۔

لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔!

ابھی موقع ہے۔اصلاح ممکن ہے۔آنکھیں کھولی جاسکتی ہیں۔ان سے اللہ تعالی کی آیات کو دیکھا جاسکتا ہے۔غور و فکر کیا جاسکتا ہے۔اللہ تعالی کے احکام پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ آج وقت ہے۔اللہ تعالی ہمیں نور ہدایت عطا فرمائے۔صالح اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۝

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر تمہارا پانی جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو خشک ہو جائے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے لئے شفاف پانی کا چشمہ بہا لائے۔(سورۃ الملک آیت 30)

آج صبح میرے ساتھ ایک بہت عجیب واقعہ پیش آیا۔ جیسے ہی پانی کا نل کھولا پانی غائب۔۔۔!!! میں رات کو سونے پہلے پانی کی ٹینکی بھر چکی تھی۔۔۔ ایک رات میں اتنا پانی کوئی استعمال نہیں کر سکتا تو وہ گیلن پانی کہاں غائب ہو گیا؟ میں نے سوچا اس مسئلے پر بعد میں سوچتی ہوں پہلے دوبارہ پانی بھر لوں۔ لیکن جیسے ہی موٹر کا بٹن آن کیا تو بجلی غائب۔ ہمارے علاقے میں آج بجلی مرمت شیڈیول کے تحت چھ گھنٹے بجلی بند رکھی جانی تھی۔

یہ آیت پہلے بھی کئی بار پڑھی لیکن آج اس آیت نے ایک اور ہی اثر دل و دماغ پر چھوڑا۔ آج اللہ تعالی کی اس نعمت "پانی" کی قیمت کو شکر گزاری اور قدردانی کے جذبات کے ساتھ دل سے تسلیم کیا۔ پلمبر کو بلایا۔ انہوں نے لیکیج تلاش کرنے کے لیے کھدائی شروع کر دی۔ پورے گھر میں ہنگامہ برپا تھا، آج اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ سب کچھ پانی پر منحصر ہے۔ بالآخر لیک پائپ کو تلاش کر لیا گیا۔ انتہائی زنگ آلود ہونے کی وجہ سے پائپ ٹوٹ گیا تھا لیکن اس کی مرمت کر دی گئی، پانی کی ٹینکی دوبارہ بھر دی اور زندگی معمول پر آ گئی۔ الحمد للہ!

ایسی ہی کہانی ہمارے ایمان اور علم کے ٹینک کے ساتھ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی لیکیج آ جاتی ہے اور ہمیں معلوم تک نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات کبھی بھی تشویش کا باعث نہیں بنتی۔ ہم قرآن و حدیث کے علم سے اپنے دل و دماغ کے ٹینک کو بھر لیتے ہیں۔۔۔ لیکن اگلے دن جب ہم کسی بھی صورت حال کا سامنا کرتے ہیں، دل و دماغ کا نل کھولتے ہیں تو کچھ نہیں نکلتا۔۔۔ نہ صبر، نہ شکر، نہ دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک۔۔۔ سارا علم کہاں گیا؟ کوئی فکر نہیں؟ دل کی لیکیج ڈھونڈنے کی کوئی کوشش نہیں؟ جس طرح پانی نہ ہونے کی صورت میں زندگی رک جاتی ہے، اسی طرح ایمان نہ ہونے کی صورت میں روح مر جاتی ہے۔ ہمارے دین اور دنیا کی بقا کا انحصار اسی پر ہے۔ اگر علم عمل میں نہیں آ رہا تو اس کا مطلب ہے کہ لیکیج کا مسئلہ سنگین ہے۔

ہر وہ گناہ جو ہم سے سرزد ہوتا ہے پائپ پر لگے زنگ کی طرح ہوتا ہے۔۔۔ اگر توبہ سے اس کی مرمت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی اصلاح ہو تو یہ ہمارے دل میں ایک دراڑ پیدا کر دیتے ہیں جہاں سے ایمان ٹپکتا رہتا ہے۔۔۔ لیک ہوتا رہتا ہے اور اس کا احساس تک نہیں ہوتا جب تک کہ سنگین صورت حال در پیش نہ آ جائے۔ لہٰذا جب بھی ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے، کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ ہمیں ایسی بصیرت عطا فرمائے جس سے ہم اپنی غلطیوں کا ادراک کر سکیں۔ اللہ تعالی کی عطا کردہ ہر نعمت گراں قدر ہے۔ بالخصوص ایمان کی نعمت۔۔۔ کہ اگر ملنے کے بعد چھن جائے تو کون یہ نعمت عطا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔ اللہ سبحانہ و تعالی ہمیں دکھائے کہ ہم سے کہاں غلطی ہوئی اور پھر ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اللہ سے معافی مانگیں تاکہ ان شگافوں کو ٹھیک کیا جا سکے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ہمارا ایمان کا حوض بھرا رہے۔ جس طرح اللہ کے علاوہ زیر زمین پانی کوئی نہیں بہا کر لا سکتا اسی طرح ہدایت کا سرچشمہ بھی کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔

دن اور رات میں ایک بہت خوبصورت اختلاف پایا جاتا ہے۔

نومبر کے مہینے سے دن روزانہ تقریباً 80 سیکنڈ کے حساب سے کم ہونا شروع ہوتا ہے اور دن کا دورانیہ 10 گھنٹے اور رات 14 گھنٹے طویل ہوتی ہے۔

بائیس دسمبر کو شمسی کیلنڈر کا سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے۔

اس کے بعد دن 90 سیکنڈ روزانہ کے حساب سے بڑھنا شروع ہوتا ہے اور مارچ میں دن اور رات دونوں بارہ گھنٹے کے ہو جاتے ہیں۔

جولائی کے مہینے میں دن 14 گھنٹے کا اور رات 10 گھنٹے کی ہوتی ہے۔

دن اور رات میں یہ اختلاف ہمیشہ سے ایک مقررہ نظام کے تحت ہے

کتنی عظیم ذات ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی۔۔۔! کیسے اس اختلاف کو ہمیشہ سے قائم رکھے ہوئے ہے۔

میرا تھریٹکل فزکس کا دوسرا سمسٹر تھا۔ نتیجے کا دن تھا۔ صبح کے سات بجے میں گھر پر تھی ایک طرف میرے والد صاحب بیٹھے تھے دوسری طرف بڑے بھائی صاحب۔ سب انتظار میں تھے کہ کیا رزلٹ آتا ہے۔ جیسے ہی رجسٹریشن نمبر اینٹر کیا اور رزلٹ دیکھا تو حیران کن نتیجہ۔۔۔۔!!!

میں نے بہت اعلیٰ جی پی اے کے ساتھ اپنے کالج میں دوسرے سمسٹر میں ٹاپ کیا تھا۔ میں نے نہ جانے کتنی بار اپنا نتیجہ دیکھا ہاں میرا ہی تھا۔ لیکن یہاں اسلامک یونیورسٹی میں اسلامک سٹڈیز میں ماسٹر شروع کیا تو پہلے ہی سمسٹر میں بری طرح ناکام رہی۔ ایک مضمون تھا دوبارہ داخلہ بھیجا امتحان دیا اور ماسٹرز کی ڈگری مکمل ہو گئی۔ لیکن اس ناکامی پر جو شرمندگی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ یہ آیات میرے تجربہ کو بہت اچھے سے بیان کرتی ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۝

اب جس کا اعمال نامہ اسکے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دوسروں سے کہے گا کہ لیجئے میرا نامہ اعمال پڑھیے۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۝

اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔

ان آیت کو پڑھ کر بے اختیار یہ واقعات ذہن میں آ گئے۔ خود سے سوال کیا

سب سے بڑے امتحان میں پاس ہونے کے لیے میں نے کتنی تیاری کی ہے؟ کیا میں اصحاب الیمین میں سے ہوں گی؟ یا میرا انجام اصحاب الشمال کے ساتھ ہو گا؟ کیا مجھے یقین ہے مجھے میرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا؟ یا بائیں ہاتھ تھمایا جائے گا؟ کیا میں بخوشی کامیابی کا نعرہ بلند کر سکوں گی یا مر مٹ جانے کی تمنا کروں گی؟ کیا اللہ تعالی جنت میں میری پسند کے مطابق مہمان نوازی کریں گے؟ یا دوزخ میں زقوم اور کھولتا پانی اور پیپ سے پیٹ بھروں گی؟ کیا مجھے جنت کی طرف ایک وفد کی شکل میں لے جائے گا یا جہنم کی جانب دھتکارتے ہوئے ہانکا جائے گا؟

ان سب سوالوں کے جواب میری اس زندگی کے اعمال طے کریں گے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا۔ (سورۃ آل عمران آیت 14)

محبت یعنی قلبی میلان کا کسی چیز کی طرف ہونا۔ یہ میلان خواہ اللہ کی ذات کی طرف ہو یا مادی اشیاء کی طرف۔

محبت لفظ حبّ سے ہے۔ عربی زبان میں حبّ اور حبّۃ جو یا گندم کے دانے کو بھی کہتے ہیں۔ حبّ (دانہ) جب زمین میں جاتا ہے تو زمین اس کی کتنی دیکھ بھال کرتی ہے اسے پنپنے دیتی ہے اس کی جڑیں خود میں بڑھنے دیتی ہیں تا کہ یہ مضبوط درخت بن سکے۔ جب ہمارا قلبی میلان کسی کی طرف بڑھتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے خواہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو یا دنیاوی محبت یا ہماری خواہشات سے محبت۔ دل بھی اسی زمین کی طرح بن جاتا ہے خوب خوب اس دانے (محبت) کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اور دانہ جس چیز کا زمین میں جائے گا وہی فصل اگے گی۔

یہ آیت مجھے سوچنے پر مجبور کرتی ہے میرے دل میں کس کی محبت آراستہ ہے؟ کیا میرے دل میں ڈھیر سارے سونے چاندی، بہت پیارا اور بڑا سا گھر، بہت سارے زیوارت کی محبت ہے؟ کیا میرے دل میں اپنی خواہشات کی محبت ہے یا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی؟ کیا میرے دل میں اپنے والدین، بہن بھائیوں سے محبت، اللہ کی محبت سے بڑھ کر ہے؟ کیا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے زیادہ دنیاوی فائدوں سے محبت ہے؟ کیا میرے دل میں اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے بڑھ کر دنیا کی محبت ہے؟

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“۔

اللہ تعالی میرے دل میں سب دنیا کی محبت سے بڑھ کر اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ڈال دے۔ ہم سب کو اللہ اور رسول کی سچی محبت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اصحاب کہف غار میں ایک لمبے عرصے تک سوتے رہے۔کیسے انھیں کو کسی نے بھی نہیں جگایا؟

کیونکہ اگر لوگ غار تک پہنچتے اور انھیں دیکھتے توڈر کر بھاگ جاتے۔

دن ہو یا رات، سردی ہو یا گرمی یا جیسے بھی حالات ہوں اصحاب کہف غار سے باہر موجود تمام خطرات سے محفوظ سوتے رہے تھے۔ سختیوں میں گھرے ہونے کے باوجود اللہ سبحانہ و تعالی نے انہیں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ سلائے رکھے،امن وامان میں رکھا۔اور یہ عمل سالوں جاری رہا۔اور اللہ سبحانہ وتعالی ایسا کرنے پر قادر ہے۔

ایسے ہی جب ہم خود کو مشکل حالات، سختیوں، پریشانیوں میں گھرا پائیں تو اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالی ہمیں بھی ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھنے،امن و سکون عطا کرنے پر قادر ہے۔بس ہمیں اس کی طرف بڑھنا ہے۔اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔

ویل یعنی ہلاکت ہے، بربادی ہے، تباہی ہے، جہنم کی ایک وادی ہے۔ کس کے لیے؟ ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ یہ چور ایسا نہیں ہے جو بہت بڑا مال ہتھیا رہا ہے۔ یہ صرف چھوٹی موٹی چیزیں لوگوں کی نہیں دیتا اور اس چھوٹی موٹی چیز کے پیچھے پکڑا جاتا ہے۔ لین دین میں چند گرام یا چھوٹی موٹی چیز اڑاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو ایسا نہیں ہے۔۔۔۔۔ بہت فرق پڑتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بربادی ہے۔ کیونکہ تھوڑا تھوڑا کر کے بھی بہت بڑا ہو جائے گا۔ یہ صرف ناپ تول کے لیے نہیں بلکہ لین دین کے جو پیمانے ہیں ان سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہم سب کی زندگی میں لین دین جاری رہتا ہے۔ جیسے حقوق اور فرائض کا معاملہ ہے۔ مثلاً ماں باپ کے حقوق ہیں، اولاد کے حقوق ہیں، بہن بھائیوں کے حقوق ہیں، شوہر بیوی کے حقوق ہیں تو ان سب میں لین دین چلتا ہے۔ ہے نا۔ تو کن لوگوں کے لیے ہلاکت ہے؟

الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ

وہ لوگ جو جب لوگوں سے ماپ کر لیں سب پورا پورا لیتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جب کچھ لینے کی باری آتی ہے تو کچھ بھی نہیں چھوڑتے۔ پورا لیتے ہیں۔ شدید حریص ہیں۔ اپنا حق نہیں چھوڑتے۔ اور اگر نہ کوئی دے تو بپھر جاتے ہیں۔ اور

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ

اور جب وہ سب کو ماپ کر دیں یا تول کر دیں تو سب کم دیتے ہیں۔

یہاں بات تو ماپ تول کی ہو رہی ہے لیکن اس کا اطلاق زندگی کے تمام معاملات پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ نماز روزے پر بھی ہوتا ہے۔ نماز کے بارے تطفیف کیا ہے؟ نماز میں رکوع سجدہ پورا نہ کرنا۔ اس میں کمی کر دینا۔ صحیح طور پر نہ جھکنا۔ پوری تسبیحات نہ پڑھنا۔ اسی طرح کسی سے کام لینا، کسی کو ملازم رکھنا اور اس کو حق نہ دینا۔ کام پورا لینا لیکن مزدوری ادا نہ کرنا۔ کام میں وقت کی پابندی نہ کرنا یا وقت ضائع کر دینا۔ دوسروں کی عزت نہ کرنا لیکن توقع رکھنا کہ دوسرے عزت کریں۔ یہ کتنی عام بات ہے نا۔ خود کسی کو سلام نہ کرنا لیکن دوسروں سے توقع رکھنا کہ یہ سلام کریں۔ خود وعدہ خلافی کرنا لیکن اگر کوئی کرے تو بہت برا ماننا۔ یعنی کسی بھی معاملے میں اپنا فرض پورا نہ کرنا لیکن دوسرے سے پورا کرنے کی توقع رکھنا۔

الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ○وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ○

یہ ہوتے ہیں مطففین۔

قوم ثمود کے لوگ قوی الجسامت، لمبی عمر والے اور ماہر انجنئیر قسم کے لوگ تھے۔ پتھروں کو تراش کر گھر بناتے اور یہ گھر اتنے مضبوط ہوتے کہ ان پر ارضی و سماوی آفات مثلاً زلزلہ، سیلاب، طوفان اور بادوباراں وغیرہ کا اثر نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالی نے اس قوم کو نہایت حیرت انگیز طریقے سے ہلاک کیا۔ اور اس حیرت انگیز طریقے کے سامنے ان کی مہارت بے کار ثابت ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالی نے انہیں **"صیحه"** سے ہلاک کیا۔ **صیحه** کیا ہوتا ہے؟ آواز پھاڑ پھاڑ کر چلانا، صور پھونکنے کی آواز، ایسی آواز جس سے دل دہل جائیں، گرج دار آواز، دھماکہ، یعنی جب کسی بھی آواز میں شدت پیدا ہو جائے۔ ہر بے معنی اور بلند آواز کو صیحۃ کہتے ہیں۔ سورۃ الحاقۃ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ (سورۃ الحاقۃ آیت 5)

الطاغیۃ کے لغوی معنی حد سے گزر جانے والی چیز کے ہیں۔ یعنی انتہائی شدت والی چیز۔ **طاغية** بمعنی حد سے بڑھا ہوا عذاب، طوفان، زبردست کڑک۔

ہماری روزمرہ گفتگو کی آواز میں لاؤڈنس چار فٹ کی دوری سے 50 سے dB60 کے درمیان ہوتی ہے۔ آواز کی لاؤڈنس اگر 80 ڈیسی بیلز (dB) سے زیادہ ہو جائے تو یہ انسانی کان کے پردوں اور اندرونی اعضا کو متاثر کرتی ہے۔ dB 150 سے اوپر کی آوازیں جان لیوا مسائل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ dB 200-170 کے درمیان کی آوازیں اتنی شدید ہیں کہ پلمونری ایمبولزم، پلمونری کنٹوژن اور پھیپھڑوں کے پھٹ جانے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اور اگر آواز کی لاؤڈنس dB240 تک پہنچے تو انسان کا سر پھٹ جاتا ہے۔ 185 ڈی بی سے اوپر کی آوازیں (زوردار دھماکے، راکٹ لانچ) اور انفراساؤنڈ خاص طور پر 7 ہرٹز Hz پر انسان کی موت ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالی نے ماہر انجینئرز کی قوم کو "آواز" سے ہلاک کر دیا۔ ان کی انجنئیرنگ میں مہارت انھیں اللہ تعالی کے عذاب سے نہ بچا سکی۔ کتنی حیرت کی بات ہے۔ لیکن یہاں یہ بات اہم نہیں ہے کہ یہ سب کیسے ہوا؟ سوچنے کی بات ہے یہ کیوں ہوا؟ اللہ تعالی نے ایک پوری قوم کو ایک ہی "صیحۃ" سے کیوں ہلاک کر دیا؟ اس قوم کی نافرمانیوں کے سبب۔۔۔ اللہ تعالی کے رسول کو جھٹلانے کے سبب۔۔۔ اللہ تعالی کی آیات کو جھٹلانے کے سبب۔۔۔ حضرت صالح علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کے سبب۔۔۔ اللہ تعالی ہم سب کو قرآن کو سمجھنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس آیت میں **وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ** (تمہاری زبانوں میں اختلاف) مجھے ہمیشہ ورطۂ حیرت میں ڈالتا ہے۔

قدیم زبانیں جواب کے زمانے میں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں میرے لیے ہمیشہ دلچسپی کا باعث رہتی ہیں۔ کیسے ایک زبان شروع ہوتی ہے، لوگ اسے سمجھنا شروع کرتے ہیں، اس زبان میں لکھتے ہیں، اس کے حروف تہجی وجود میں آتے ہیں، یہ زبان عروج حاصل کرتی ہے اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔

انڈو گریک، کشان، ہوویشکا اور برصغیر کی مختلف تہذیبوں کی زبانوں سے آشنائی ہوئی، ان کے رسم الخط دیکھے، انھیں پڑھنے کی کوشش کی، ان کی تاریخ سے انھیں سمجھنے کی کوشش کی۔ ان زبانوں میں ایک بھی مماثلت نہیں ملی۔ سب یکسر مختلف تھیں۔ ایک عروج حاصل کرنے کے بعد صفحہ ہستی سے اپنی کہانی سمیت ختم ہو گئیں۔

آج دنیا میں سات ہزار سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ان کے رسم الخط، بول چال سب ایک دوسرے سے مختلف۔ یہاں تک کہ زبان کے لہجے بھی مختلف۔

بے شک اس اختلاف میں اللہ تعالی کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

کچن میں مٹھائی کی پلیٹ بغیر کور کیے رہ گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد پلیٹ میں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کا انبار لگ گیا۔ایک قطار میں پلیٹ تک ان کی آمد و رفت جاری تھی۔ کتنا نظم ہوتا نہ اس چھوٹی سی مخلوق میں۔۔۔! تین طرح کی چیونٹیاں تھیں۔ایک بہت باریک، ایک اس سے بڑی، اور ایک بڑی اور موٹی سی۔کافی انہماک سے انہیں دیکھ رہی تھی اور ساتھ سوچ رہی تھی کہ انہیں میں کتنی بڑی دکھائی دے رہی ہوں گی؟ شاید ایک مونسٹر۔۔۔انسانی مونسٹر۔۔۔ہاہاہا

یہ آیت جب بھی میرے مطالعہ میں آتی ہے ہر بار سوچتی ہوں اللہ تعالی کا عرش کتنا عظیم ہوگا اور اس کے سامنے انسان کتنی چھوٹی مخلوق ہے؟

ایک ایٹم 30 سے 300 پیکو میٹر کا ہوتا ہے۔یعنی ایک میٹر کا 10 ارب حصہ۔ تقریباً 100 ٹریلیئن ایٹمز سے مل کر ایک سیل بنتا ہے۔ قریبا 20 میلین سیلز سے ایک چیونٹی بنتی ہے۔انسان تقریباً چیونٹی سے 750 گنا بڑا ہے۔زمین کا قطر ایک انسان کی لمبائی سے 4400 گنا بڑا ہے۔ہمارے اس سیارے زمین میں 49 چاند فٹ آ سکتے ہیں۔سولر سسٹم کے سب سے بڑے سیارے جیوپیٹر میں 318 زمینیں سما سکتی ہیں۔اس سے آگے سورج۔۔۔سورج میں تیرہ لاکھ زمین کے سائز کے سیارے فٹ آ سکتے ہیں۔ہماری گلیکسی "ملکی وے" میں تقریباً 150 سے 240 میلین سولر سسٹم ہیں۔یا اس سے بھی زیادہ۔۔۔ملکی وے کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے۔اب تک کی سب سے بڑی گلیکسی "ایکلیانس" ہماری گلیکسی سے 160 نوری سال بڑی ہے۔اور نہ جانے کتنی بڑی بڑی گلیکسیز موجود ہوں گی۔اس سے آگے سات آسمان کتنے بڑے ہوں گے۔۔۔! ارشاد باری ہے:

روایات میں آتا ہے ساتوں آسمان کرسی کے آگے ایسے ہیں جیسے صحرا میں ایک چھلا پڑا ہو اور عرش کرسی کے مقابلے میں اتنا بڑا ہے جیسے چھلے کے مقابلے میں صحرا۔ (کتاب العظمۃ، ص 83، حدیث: 208)

اللہ اکبر کبیرا! اتنی وسعت۔۔۔! ہم کتنے چھوٹے ہیں۔۔۔!

اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو جہاں ساری جنت سے بغیر روک ٹوک کھانے کا کہا تھا وہیں ایک "شجر ممنوعہ" کا پھل کھانے سے منع فرمایا تھا۔ بقیہ ساری جنت میں جیسے چاہیں کھائیں لیکن اس شجر کے پاس بھی نہیں پھٹکنا۔ یہ "شجر ممنوعہ" اللہ تعالی کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ایک حد تھی جس کی خلاف ورزی کرنا منع تھا۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان نے بہکا دیا۔ فرشتہ بن جانے اور ہمیشگی کا لالچ دیا اور انھوں نے اس شجر ممنوعہ کو چکھ لیا۔ شیطان نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو بے لباس کروادیا اور جنت سے نکلوادیا۔

اس "شجر ممنوعہ" سے ہمارا ہر روز واسطہ پڑتا ہے۔

ہمارے روزمرہ کی بہت ساری چیزیں ہیں جن سے ہمیں روکا گیا ہے۔ جن کے ارتکاب پر سزا ہے۔ وعید ہے۔

چھوٹی چھوٹی باتوں میں جھوٹ "شجر ممنوعہ"۔

غیبت "شجر ممنوعہ"۔

حسد "شجر ممنوعہ"۔

تفاخر "شجر ممنوعہ"۔

تکبر "شجر ممنوعہ"۔

چیزوں میں ملاوٹ "شجر ممنوعہ"۔

کسی کا حق مار لینا یا کم دینا "شجر ممنوعہ"۔

اور بہت سارے روزمرہ کے "شجر ممنوعہ"۔ جن کا بہت کوششوں کے باوجود مجھ سے ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے صرف ایک بار غلطی پر حضرت آدم کو جنت سے نکال دیا سب کو اس جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا۔ اللہ تعالی مجھ سے کتنا ناراض ہوتا ہوگا نہ۔

لیکن حضرت آدم نے اپنی غلطی پر اصرار نہیں کیا فورا معافی مانگ لی۔ حضرت آدم نے دعا فرمائی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (سورۃ الاعراف آیت 23)

اور اللہ تعالی نے بھی ان پر نظر کرم فرمایا ان کی توبہ قبول فرمالی۔

اللہ تعالی ہمارے ہر روز کے تمام چھوٹے بڑے گناہوں، غلطیوں سے درگزر فرمائے۔ ہم سب پر رحم فرمائے۔ آمین!

قیامت کے دن کا سب سے ہولناک مرحلہ۔۔۔ہر شخص کو اس کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا۔دائیں ہاتھ والے جنت میں جائیں گے اور بائیں ہاتھ والے جہنم میں۔میں اکثر سوچتی ہوں یہ اعمال نامہ کیسا ہو گا جس میں ایک ایک لمحے اور ایک ایک عمل کی تفصیل ہو گی؟

یہ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے ایک بہت بڑا سی سی ٹی وی کیمراز کا سیٹ اپ ہو جس میں ہمارا ہر ایکشن ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔کراما کاتبین اور ہمارے ارد گرد موجود ہر چیز بشمول ہمارے اعضا ہماری ریکاڈنگ پر معمور ہیں۔اور یہ ریکارڈنگ میدان حشر میں ہمارے سامنے لا کر رکھ دی جائے گی۔دیکھو خود کو۔۔۔!ارشاد باری ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(سورۃ النور آیت 24)

انسان کی اپنی زبان، ہاتھ اور پاؤں یہ ریکارڈ کر رہے ہیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟ایک لمحے کے لیے سوچیں ہم ایک محفل میں موجود ہوں اور زبان پر ہمارا کنٹرول نہ رہے اور یہ بولنا شروع کر دے آج اس شخص نے میرے ذریعے فلاں شخص کی غیبت کی، فلاں شخص کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے، اتنے جھوٹ بولے۔۔۔سورۃ یس میں ارشاد باری ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (سورۃ یس آیت 65)

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے اس پر جو وہ کیا کرتے تھے۔

اب زبان کو بولنے کی اجازت نہ دی جائے اور ہاتھ پاؤں بولنا شروع کر دیں۔ہر چھوٹی سے چھوٹی بات بتانا شروع کر دیں۔۔۔ہم کیسے جھٹلائیں گے؟ یہ ہو گا اعمال کا پورا رجسٹر، جو ہمارے سامنے ہو گا، ہم اسے پڑھ رہے ہوں گے، بار بار ورق گردانی کر رہے ہوں گے، حیران ہوں گے کہ کیسا جامع ریکارڈ ہے۔ذرہ ذرہ ریکارڈ شدہ ہے۔نہ کوئی چھوٹی چیز اس سے چھوٹی ہوئی ہے اور نہ بڑی۔اپنے تمام اعمال کو اپنے سامنے موجود پائیں گے۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝

اور اعمال کی کتاب کھول کر رکھی جائے گی تو تم گناہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہو گا اس سے ڈر رہے ہوں گے۔اور کہیں گے۔ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو کوئی بات بھی نہیں مگر اسے لکھ رکھا ہے۔اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے۔اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(سورۃ الکھف آیت 49)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ“

(بخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ۔۔۔ الخ، ۴/۲۱۴، الحدیث: ۶۳۸۹)

حسنۃ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے مثلاً دنیا کی حسنہ میں بدن کی صحت اہل وعیال کی صحت، رزق حلال میں وسعت وبرکت دنیوی سب ضروریات کا پورا ہونا اعمال صالحہ، اخلاق محمودہ علم نافع، عزت ووجاہت، عقائد کی درستی صراط مستقیم کی ہدایت، عبادات میں اخلاص کامل سب داخل ہیں اور آخرت کی حسنہ میں جنت اور اس کی بے شمار اور لازوال نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع)۔

یہ دعاء ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں دنیا وآخرت دونوں جہان میں راحت وسکون میسر آتا ہے آخر میں خاص طور پر جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے۔